Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اردو ادب میں قصہ سوہنی مہینوال کی روایت

1۔ڈاکٹر اکبر علی غازی
لیکچرر پنجابی، گورنمنٹ ڈگری کالج ڈسکہ، سیالکوٹ۔
2۔ڈاکٹر شائستہ حمید خان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔
3۔ڈاکٹر افتخار احمد سلہری
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

ABSTRACT
In this research article, an important story of Urdu storytelling tradition "Sohni Mahinwal" has been reviewed. Thus, this story has a purely Punjabi tradition, but it has also been given full attention in Urdu literature. In Urdu literature, this story has been written for children as well as adults. The article under study introduces more than twenty storytellers and storytellers. Some stories have been included in other books of history and literature with reference to Gujarat and some in separate book form. Most are thought to be translations, but some may be short-lived. The story of most of the stories is traditional ie Syed Fazal Shah is close to the story of Nawan Koti but a few have added.In this article Includes stories written by storytellers and writers.

اردو ایک قدیم زبان ہے البتہ اس میں لکھنے پڑھنے کا ثبوت زیادہ پرانا نہیں ہے۔ اپنے تشکیلی ڈھانچے اور الفاظ کی بنیاد پر اس کا تعلق سنسکرت کی بجائے کسی ایسی زبان سے جڑتا ہوا نظر آ رہا ہے جس میں چ، ڈ، ڑ اور گ جیسی آوازیں موجود تھیں یا ہیں۔ کوئی نچلے درجے کا شخص ہو یا اعلیٰ ذات کا فرد، ہر کسی کا شجرہ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اپنی سہولت اور فائدے کے لیے البتہ ہم اس بڑے تک جا کر رک جاتے ہیں جس کے بارے میں معلومات زیادہ ہوتی ہیں یا جسے زیادہ معروف سمجھا جاتا ہے۔ یہی رویہ ہم پنجابی اور اردو زبان کی تاریخ کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں کہ ان کے آغاز کو مسلمانوں کی آمد سے جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم نے ایک عظیم سنگ میل عبور کر لیا ہے۔ حالانکہ پانچ سو یا ہزار سال کا عرصہ کسی زبان کی تشکیل کے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس مقام پر زبان کی قدامت کے ثبوت کا مرحلہ درپیش نہیں ہے اس لیے ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ قصہ نگاری کی روایت کے حوالے سے دیکھیں تو اردو کے اولین ماخذات میں قصہ کاری کے آثار ملتے ہیں۔

محقق بتاتے ہیں کہ انیسویں صدی عیسوی میں اردو داستان نویسی کا آغاز ہو چکا تھا۔ بیسویں صدی میں مختصر کہانی، افسانہ اور ناول بھی لکھا جانے لگا۔ اردو میں سب سے پہلا قصہ مثنوی میں لکھا گیا جو کہ فارسی سے کیا ہوا ترجمہ تھا۔ پہلے دور کی مثنویات بیجاپور اور گولکنڈہ کے درباروں میں لکھی گئیں۔ دکن میں لکھی جانے والی پہلی مثنوی "سب رس" بذات خود تخلیق نہیں بلکہ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی فارسی کتاب "دستورِ عشاق" کا ترجمہ ہے۔ انھوں نے دوسری بار یہ کتاب فارسی نثر میں لکھی اور اس کا نام "حسن و دل" رکھا۔ (1) انیسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں "نوطرزِ مرصع" (2) سے اردو میں قصہ کاری کا آغاز ہوا جو کہ فارسی کی تخلیق "قصہ چہار درویش" کا اردو ترجمہ ہے جس میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کثرت سے ہیں۔ (3) عیسوی خان کا "مہر افروز و دلبر"، مہر چند مہر کا قصہ "ملک محمد و گیتی افروز" 1792ء میں لکھا گیا شاہ عالم ثانی کا "عجائب القصص" 1796ء میں، شاہ حسین حقیقت کا "جذبِ عشق" 1801ء میں، میر امن دہلوی کا "باغ و بہار"، اسی سال حیدر بخش کا "طوطا کہانی" اور 1803ء میں نہال چند لاہوری کا قصہ "گل بکاؤلی" قابل ستائش ادب پارے ہیں۔ باغ و بہار اور نوطرزِ مرصع کی زبان سادہ، عام فہم اور ادبی ہے۔ (4)

الف لیلہ میں شامل داستان "سیف الملوک" کو اردو مثنوی میں غواصی نے 1625ء میں اور نجم الدین نے دلی میں رہ کر 1892ء میں لکھا۔ غرض کہ اردو میں داستان، مثنوی اور قصوں کی ایک طویل داستان ہے۔ اس حوالے سے کھل کر لکھنے کے لیے کئی صفحے درکار ہیں جبکہ اس موضوع پر مختلف زاویوں سے درجنوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر حفیظ احمد کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے علاوہ ڈاکٹر میاں ظفر مقبول کی قصہ کاری، جلال الدین جعفری کی تاریخ مثنویات، ڈاکٹر سہیل بخاری کی اردو داستان، عبدالقادر سروری کی اردو مثنوی کا ارتقاء، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی اردو کی منظوم داستانیں اور ڈاکٹر گیان چند جین کی اردو کی نثری داستانیں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ (5)

اردو پاکستان کی قومی اور رابطہ کی زبان ہے جس نے تمام پاکستانی زبانوں کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اردو، پنجابی، سرائیکی، ہندکو، پہاڑی اور گوجری زبانوں کا اردو کے ساتھ انتہائی قریبی تعلق ثابت شدہ ہے جو کہ ان کے مابین موجود ایک اور مضبوط اور بنیادی تعلق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بادشاہ منیر بخاری نے کھوار اور اردو کے درمیان بھی اتنے سارے اشتراکات بتا دیے ہیں کہ ان کی بنیاد پر زبانوں کے باہمی تعلقات میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اردو کی پنجابی زبان کے ساتھ اتنی زیادہ مماثلت ہے کہ اردو کو پنجابی کی بیٹی قرار دیا جاتا ہے۔ قصہ نگاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو پنجابی سمیت تمام پاکستانی زبانوں کے داستانوی ادب میں ایک قابل قدر مماثلت نظر آتی ہے کہ پاکستانی زبانوں کے قصے اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کیے جا رہے ہیں۔ قصہ سوہنی مہینوال کو بھی اردو زبان میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ کچھ قصہ کاروں نے منتقلی کا یہ کام ترجمہ کر کے کیا ہے تو کچھ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان کر کے تخلیقی انداز میں سرانجام دیا ہے۔ اس حوالے سے محمد احسان الحق، ڈاکٹر سید اختر جعفری، اسد سلیم شیخ، انوار احمد اعجاز، ایم عاصی، اے حمید، سکندر اقبال، ڈاکٹر میاں ظفر مقبول، منشی مہر محمد، اقبال حیدر، احمد دین لنگڑیال اور نمی بھرت بھوشن جیسے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان سب لکھنے والوں نے اس داستان کو اردو میں ڈھال کر بیان کیا ہے۔ اس فہرست میں کچھ ایسے لکھاری بھی شامل ہیں جنھوں نے کتابیں تو دوسرے موضوعات پر لکھی ہیں مگر ان میں قصہ "سوہنی مہینوال" کو بھی مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مؤخر الذکر قصوں کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے جبکہ ان کے بعد الگ سے لکھی گئی ان چھوٹی چھوٹی کتابوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے جن کو "سوہنی مہینوال" کے نام سے کتابی صورت دی گئی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید اختر جعفری کا کام منفرد ہے کہ انھوں نے "سوہنی مہینوال" کے نام سے ایک روایتی اور مکمل ناول لکھا جس میں زیادہ تر کرداروں کو نام دے دیے گئے ہیں۔ ذیل میں اس پنجابی قصے کی اردو روایت کا اجمالاً جائزہ لیا گیا ہے:

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شگفتہ جبین:

ڈاکٹر عبدالکریم شکور نے ایک کتاب Love Stories 1940s کے نام سے ترتیب دی جسے ملٹی کلچرل ریسورس سنٹر (Multicultural Resource Centre) نے شائع کیا۔ اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے۔ شائع کرنے والے ادارے کا نام Heritage Lottery Fund لکھا ہوا ہے مگر ساتھ میں مقام اشاعت اور سال اشاعت درج نہیں ہے۔ مصنفہ نے اس کتاب میں پاکستان کی درجنوں عشقیہ داستانوں کو انتہائی اختصار کے ساتھ شامل کیا ہے۔ اس میں قصہ "سوہنی مہینوال" صفحہ نمبر انچاس تا پچاس درج ہے۔ اس قصے کی مصنفہ کا نام شگفتہ جبین درج کیا گیا ہے جس نے پوری کہانی کو صرف سوا صفحے پر سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

شگفتہ جبین نے پہلی سات سطور میں تمہید باندھی ہے جس میں انھوں نے اپنے بارے میں بتایا ہے کہ وہ 1957ء میں لاہور میں پیدا ہوئیں۔ نقل مکانی کے بعد گجرات منتقل ہوئیں، شادی ہوئی تو شوہر کے ساتھ انگلینڈ جا کر سکونت پذیر ہو گئیں البتہ سال دو سال میں ایک بار گجرات آنا ہوتا ہے۔ مصنفہ بتاتی ہے کہ جب مہینوال نے تلے کی دوکان کے چکر لگانے شروع کیے تو دونوں کو ایک دوسرے سے پیار ہو گیا۔ سوہنی دریا پار کر کے ملنے جاتی، مہینوال مچھلی بھون کر تیار رکھتا، دونوں مل کر کھاتے اور سوہنی واپس گھر پہنچ جاتی۔ بات نکلی تو بھابھی نے گھڑا بدل دیا۔ سوہنی ڈوبنے لگی تو مہینوال نے بھی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ سوہنی مر گئی اور مہینوال بھی ساتھ ہی مر گیا۔(6)

آغا سلیم:

آغا سلیم نے اپنی کتاب "لوک داستانیں" میں تیرہ عشقیہ داستانیں شامل کی ہیں۔ اندورنی سرورق کے مطابق اس کے ایڈیٹر مظہر الاسلام، نگران عکسی مفتی، کاتب محمد شفیع چیمہ اور آغا سلیم مترجم ہیں۔ اس کتاب میں مترجم نے ڈھولو مارو، سورٹھ رائے ڈیاج، لاکھو پھلانی، مومل رانو، موکھی اور متارا، لیلا چنیسر، نوری جام تماچی، دریا خان، ہیموں راٹھور، سوہنی مہیار، عمر ماروی، جام اوڈھو ہوتھل پری، بھیریو جوگی اور بھجنگ ناگ (7) جیسی داستانیں شامل کی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ تمام کہانیاں سندھی سماج سے متعلق ہیں۔ "سوہنی مہیار" بھی اسی پس منظر کی حامل کہانی ہے البتہ اس کو پنجابی لوک عشقیہ کہانی "سوہنی مہینوال" کی ابتدائی شکل بھی قرار دیا جاتا ہے اور اس بات پر اصرار کیا جاتا ہے کہ یہی کہانی شکل بدل کر پنجاب کے شہر گجرات سے منسلک ہوئی۔ راقم نے تین لکھاریوں کی لکھی ہوئی "سوہنی مہیار" اور ڈیڑھ سو سے زائد مصنفین کی لکھی ہوئی "سوہنی مہینوال" کی داستانوں کا مطالعہ کیا ہے جس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں الگ الگ داستانیں ہیں۔

یاد رہے "سوہنی مہیار" کی داستان کو سب سے پہلے شاہ عبداللطیف بھٹائی نے "سر سوہنی" کے عنوان سے لکھا۔ یہ پوری داستان نہیں بلکہ اک طویل نظم کی طرح ہے۔ یہاں "سوہنی مہیار" کی کہانی مختصراً پیش کی جا رہی ہے تا کہ ہر قاری جان سکے کہ اس میں اور ' 'سوہنی مہینوال" میں کیا فرق یا اشتراک ہے۔ اس داستان کو "سہنی مہیار" بھی کہا جاتا ہے۔

دیورائے بادشاہ کے زمانے میں مہران دریا کے کنارے بسنے والی "سامیٹا" قوم میں ایک بہت خوبصورت لڑکی رہتی تھی جس کا نام سوہنی تھا۔ "داہوجا" قوم کے ایک لڑکے "ڈم" سے اس کی شادی کر دی گئی۔ بارات دلہن کو لے کر جا رہی تھی کہ دریا پار کرنے کے لیے ان کو کشتیوں کا انتظار کرنا پڑا جو کہ دوسرے کنارے کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ اضافی وقت گزارنے کے لیے لڑکیوں نے سوچا کہ "دودھ پلائی" کی رسم وہیں ادا کر لی جائے۔ دودھ کی تلاش میں ادھر ادھر لوگوں کو بھیجا گیا۔ وہاں ایک "مہیار" کا چوپال تھا جس کا اصل نام "ساہڑ" تھا۔ اس نے بہت سی بھینسیں رکھی ہوئی تھیں۔ دودھ کی تلاش میں جانے والوں نے سنا کہ چوپال میں سے بانسری کی آواز آ رہی تھی۔ انھوں نے دودھ مانگا جو کہ دے دیا گیا۔ ساتھ ہی ان لوگوں نے مہیار سے درخواست کی کہ آپ ہی دلہا اور دلہن کو دودھ پلا دیں۔ پہلے تو مہیار نے انکار کیا، پھر اصرار پر اس نے دلہے کو پلانے کے لیے دودھ پیالے میں ڈالا تو پتہ چلا کہ وہ تو تھوڑا ہے۔ دلہے نے اشارہ کیا کہ پہلے دلہن کو پلایا جائے۔ جس وقت دودھ دلہن کے منہ کو لگا تو اسی وقت اس کے چہرے پر نور بکھر گیا۔ اس نے دودھ پلانے والے کا چہرہ دیکھا تو اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ مہیار نے جب سوہنی کا چہرہ دیکھا تو وہ بھی اس پر عاشق ہو گیا۔ سوہنی اپنے سسرال میں پہنچی تو اس نے اپنے شوہر کو مُنہ تک نہ لگایا۔ ایک رات موقع دیکھ کر وہ اٹھی، اس نے گھڑا پکڑا اور مہیار سے ملنے کے لیے پہنچ گئی۔ مہیار کی قسمت جاگ پڑی۔ سوہنی کی دعا سے گھر والے گہری نیند سو جاتے، اس طرح ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک دن سوہنی کو جمائیاں لیتے ہوئے دیکھ کر اس کی ساس کو شک پڑا تو اس نے اس سے میٹھا بن کر پیار کے ساتھ اندر کی بات پوچھ لی۔ سوہنی نے بھولپن میں ملاقاتوں کی ساری کیفیت بتا دی۔ ساس نے بڑا سمجھایا مگر سوہنی کو سمجھ نہ آئی۔ آخر اس نے سوہنی کا پکا گھڑا اُٹھا کر کچے سے بدل دیا۔ گھڑا گھل گیا اور سوہنی ڈوب کر مر گئی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر مہیار انتظار میں تھا۔ اسے خبر ملی تو اس نے ماہی گیروں سے کہہ کر دریا میں جال ڈلوائے۔ سوہنی کی لاش مل گئی جسے چوپال کے قریب ہی دفن کر دیا گیا۔ مہیار اس قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گیا۔ وہ وہیں بانسری بجاتے بجاتے روتا ہوا مر گیا جسے پہلی قبر کے پہلو میں دفنا دیا گیا۔ آج انھیں سوہنی مہیار کی قبریں شداد پور سندھ میں موجود ہیں۔ (8)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم:

رفیق خاور کی کتاب "چناب سے پدماتک" ایک ایسی کتاب ہے جس میں پاکستان کی کچھ عوامی کہانیوں کو نثر میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں اپنے اپنے علاقے کی سماجی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس میں پنجاب کی کہانیوں کو ' پنج ند' کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ سات کہانیاں عشقیہ داستانیں ہیں جن میں ہیر رانجھا، ہیر سیال، مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال، یوسف زلیخا، میندھرا مومل اور سسی شامل ہیں۔ یہ تمام کہانیاں الگ الگ مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں۔ سوہنی مہینوال کی کہانی صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کو سید فضل شاہ کی سوہنی مہینوال کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے البتہ اس میں چند ایک مقامات پر انفرادیت بھی نظر آتی ہے۔ (9)

پرویز راہی:

پرویز راہی کی کتاب "فلمی لوک داستانیں" میں انھوں نے ان عشقیہ قصوں کی کہانیاں درج کی ہیں جن پر فلمیں بن چکی ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے پندرہ کہانیاں منتخب کی ہیں جن میں دلا بھٹی اور تان سین جیسی فلموں کی کہانیاں بھی شامل ہیں۔ درج بالا دونوں کہانیوں کے بعد مصنف نے تیسرے نمبر پر سوہنی مہینوال کو شامل کیا ہے۔ یہ کہانی روایتی کہانی سے کچھ مختلف ہے۔ اس میں مصنف نے مرزا

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

عزت بیگ کے والد کا نام مرزا کمال لکھا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ عزت بیگ کے سفر دہلی میں اس کے ساتھ صرف ایک وفادار نوکر تھا۔ باقی کہانی سید فضل شاہ والی ہے۔ بس مہینوال کو سوہنی کی لاش کو کندھے پر اٹھا کر پھرنے کی بات الگ ہے۔(10) مصنف نے بتایا ہے کہ اس داستان کو نو بار فلمایا جا چکا ہے۔ اس کتاب سے ایک اقتباس پیش ہے:

> ''ملک کی تقسیم سے پیشتر سوہنی مہینوال اور سوہنی کمہارن کے نام سے پنجاب کی اس لوک داستان کو 6 مرتبہ فلمایا گیا۔ 2 مرتبہ خاموش فلموں کے دور میں اور 4 مرتبہ بولنے والی فلموں کے زمانے میں۔ اس رومانوی داستان کو پاکستان میں بھی 3 مرتبہ فلمایا گیا۔ مجموعی طور پر یہ مقبول رومانوی داستان فلمی دنیا میں 9 مرتبہ فلمائی گئی۔ اِسے ہر عہد میں پسند کیا گیا۔(11)

اس داستان پر پہلی بار امپیریل فلم کمپنی ممبئی نے 1929ء میں اک خاموش فلم بنائی۔ اس کے ہدایت کار کے بی بھاوے تھے۔ اسی سال شاردا فلمز بمبئی نے ایچ مہتہ کی ہدایت کاری میں اسی نام سے دوسری فلم بنا کر پیش کی۔ 1933ء میں اسی کمپنی نے اسی نام اور اسی ہدایت کار کی مدد سے ایک بولتی فلم بنائی جس کے اہم فنکار گوہر، امیر بائی کرناٹکی، علی بخش اور شورانی تھے۔ 1937ء میں اسی نام سے ایک ہدایت کار روپ لال شوری نے لاہور میں فلم بنائی۔ اسی سال موتی محل پکچرز کلکتہ نے سوہنی مہینوال کے مقابلے میں ''سوہنی کمہارن'' کے نام سے ایک نئے انداز میں فلمایا جسے کامیاب قرار دیا گیا جبکہ اسی سال بننے والی دوسری فلم کو درمیانے درجے کی فلم قرار دیا گیا۔ دونوں فلمیں سترہ دن میں بنائی گئی تھیں اور ان کو اکٹھا ریلیز کیا گیا تھا۔ 1946ء میں ہدایت کار ایشور لال نے فلمساز جنیت ڈیسائی کے لیے ''سوہنی مہینوال'' کو نئے سرے سے فلمایا۔ پاکستان میں پہلی بار 1955ء میں اس داستان کو ''سوہنی'' کے نام سے ہدایت کار ایم جے رانا نے فلمساز ایم اے خان کے لیے فلمایا جس میں صبیحہ، سدھیر، شمی، نذر اور زینت جیسے فنکار شامل تھے۔ 1960ء میں اس کہانی کو کہانی کار، ہدایت کار اور نغمہ نگار ولی نے ''سوہنی کمہارن'' کے نام سے فلمایا جس میں بہار، اسلم پرویز، نیلم، ظریف اور اجمل شامل تھے۔ 1976ء میں اس داستان کو ایک بار پھر رضا میر نے ''سوہنی مہینوال'' کے نام سے پیش کیا جس میں اداکارہ ممتاز اور اداکار یوسف خان نے مرکزی کردار ادا کیا تھا (12) گیارہ صفحات پر مشتمل اس تحریر میں اداکاراؤں کی چھوٹی بڑی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں۔ کتاب ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایم الماس:

ایم الماس نے اپنی کتاب ''پنجاب کی رومانوی داستانیں'' میں سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، سسی پنوں اور ہیر رانجھا کی کہانیوں کو اردو نثر میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے قصہ ''سوہنی مہینوال'' کو صفحہ نمبر نو تا چھپن، سنتالیس صفحات پر جگہ دی گئی ہے۔ کتاب میں شامل تقریباً تمام کہانیاں افسانوی رنگ میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بنیادی واقعات تو روایتی ہیں لیکن پیش کرنے کا انداز چونکا دینے والا ہے۔ داستان کا آغاز گجرات سے کیا گیا ہے جہاں مرزا عزت بیگ پہنچ چکا ہے۔ سوہنی سے عشق کی وجہ سے لگاتار نقصان اٹھانے اور سمجھانے کے باوجود باز نہ آنے کی وجہ سے اس کے تمام دوست اور غلام اسے تنہا چھوڑ کر مال متاع سمیت وطن واپس جا چکے ہیں۔ اس حوالے سے مصنفہ کا ایک اقتباس پیش ہے:

> ''صبح جب عزت بیگ کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس پر جان چھڑکنے والے دوست تمام مال و متاع سمیٹ کر اس کے گھر میں جھاڑو پھیر گئے ہیں۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگا۔ اسے تسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ ایک طرف اسے مکان کا کرایہ ادا کرنا تھا تو دوسری طرف تلے کمہار کی بھی رقم ادا کرنا تھی۔ گھر میں کوئی چیز نہ تھی جسے بیچ کر وہ ادائیگی کرتا''۔ (13)

پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی:

پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اپنی کتاب ''پاکستان کی لوک داستانیں'' میں چاروں صوبوں کی داستانوں کو جگہ دی ہے۔ اس حوالے سے ہاشمی صاحب کی کتاب میں پنجاب سے جڑی ہوئی چھ، خیبر پختونخواہ کی سات، سندھ کی آٹھ اور بلوچستان کی سات لوک داستانیں شامل کی گئی ہیں۔ پنجابی داستانوں میں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، پورن بھگت، ڈلا بھٹی اور سسی شامل ہیں۔ مصنف نے صفحہ نمبر انسٹھ تا اکہتر اس داستان کو پیش کیا ہے۔ اس میں کہانی روایتی ہے، کوئی خاص کمی بیشی نہیں ہے البتہ آخر پر ایک منفرد کام کیا گیا ہے کہ قصے کی معنویت کے بارے میں ایک تبصرہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ ان کے تبصرے کا پہلا پیرا پیش ہے:

> ''سوہنی مہینوال کا قصہ مسلسل جدوجہد اور جرأت و ہمت کا درس دیتا ہے کہ انسان کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشش جاری رکھنی چاہیے، خواہ انجام کچھ بھی ہو۔ اس میں مہینوال کا سفر مجازی، سفر حقیقی کا روپ دھار جاتا ہے۔ مہینوال ایک استعارہ ہے ہر اس انسان کا جو حقیقت (خدا) کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ اسے مل بھی جاتی ہے لیکن جلد ہی انکشاف ہوتا ہے کہ اس کو ہمیشہ کے لیے (دائمی معرفت) حاصل کرنے کے لیے جان کا نذرانہ دینا ضروری ہوتا ہے۔'' (14)

ڈاکٹر اے حمید:

ڈاکٹر اے حمید نے اپنی کتاب ''پنجاب کے رومانی افسانے'' میں پنجاب کی لوک داستانوں ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، پورن بھگت، مرزا صاحباں اور راجہ رسالو کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مصنف کے بارے میں اتنا بتایا گیا ہے کہ وہ شعبہ تالیفات فیروز سنز لاہور کے ڈائریکٹر تھے۔ کتاب کی زبان بڑی عام فہم اور سادہ ہے۔ کہانی روایتی ہے لیکن کمی بیشی بھی نظر آتی ہے۔ مصنف نے تجارتی قافلے کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قافلے میں پانچ سو کے قریب لوگ تھے جبکہ قافلے کا سردار کوئی اور شخص تھا۔ مرزا عزت بیگ نے بادشاہ کے ساتھ ملاقات بھی وفد کے ایک ممبر کے طور کی تھی نا کہ خود مختار سردار کے طور پر۔ (15) کتاب کے صفحہ ترپن سے چوراسی تک یہ داستان بیان کی گئی ہے۔(16) ڈاکٹر اے حمید 1959ء میں لکھتے ہیں کہ یہ داستان دو سو سال پہلے وجود میں آئی جو کہ بالکل غلط ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''آج سے دو سو سال پہلے کا ذکر ہے کہ بلخ کے پرانے شہر میں ایک سوداگر تھا۔'' (17)

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اسد سلیم شیخ:

اسد سلیم شیخ ہوراں ' نگر نگر پنجاب ' کے نام سے ایک ضخیم کتاب ترتیب دی جس میں پنجاب کے سینکڑوں شہروں اور قصبوں کے نام، ان کی تاریخ اور اہم واقعات درج کیے گئے ہیں۔ گجرات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے دو صفحات پر سوہنی مہینوال کی کہانی بھی درج کی ہے۔ شیخ صاحب نے ان دو صفحات میں بھی چند ایک فرق ڈال دیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ گجرات میں عزت بیگ کی کسی شخص نے دعوت کی تھی جس میں اس نے ٹلے کے ہاتھ سے بنے خوبصورت پیالے دیکھے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مہینوال ٹلے کے پاس ملازم نہیں ہوا تھا بلکہ کسی اور بندے کے پاس ملازم رکھا گیا تھا۔(18) شیخ صاحب کی بیان کی ہوئی کہانی کا خلاصہ راقم کے مقالے میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

> "ایس کتاب وچ دسیا گیا اے جے عزت بیگ دی کسے گجراتی نے دعوت کیتی تے اوتھے اوہنے مٹی دے نفیس بھانڈے ویکھے، جدوں عزت بیگ نے حیرت نال پچھیا تے دعوت دین والے نے دسیا جے ایہناں بھانڈیاں نوں بنان والی ایہناں توں وی سوہنی اے۔ اوہدے دل وچ سوہنی نوں ویکھن دا شوق جاگیا۔ اوہ دوکان تے بار بار گیا تے سوہنی نوں احساس ہو گیا جے گاہک بھانڈیاں وچ گھٹ تے اوہدے وچ بہتی دلچسپی لے رہیا اے تے اوہ وی دلچسپی لین لگ پئی۔ جدوں عزت بیگ کولوں پیسے مک گئے تے مہینوال کسے امیر آدمی کول مجھاں چارن لئی ملازم ہو گیا جہدی وجہ توں اوہدا ناں مہینوال پئے گیا۔ عشق دی گل کھلری تے گھر والیاں نے سوہنی دا ویاہ کر دتا پر اوہ فیر نہ مڑی، پٹ چیر کے مچھلی دے کباب کھوان والے واقعے توں بعد سوہنی پکے گھڑے تے ترکے دریا پار کر کے ملن جان لگ پئی تے ننان نوں پتہ لگ گیا۔ اوہنے پکا گھڑا کچے نال بدل دتا۔ سوہنی نوں پتہ نہ لگا۔ اوہ دریا وچ وڑ گئی، گھڑا کھڑ گیا تے اوہ رہڑ گئی۔ مہینوال نوں سوہنی دے مرن دا پتہ لگا تے اوہنے وی چھال مار کڈھی تے اوہ وی سوہنی نال جا رلیا۔" (19)

احسان اللہ طاہر تے ڈاکٹر امجد علی بھٹی:

احسان اللہ طاہر اور ڈاکٹر امجد علی بھٹی نے مل کر سید ہاشم شاہ تھرپالوی کا کلام اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا تھا جس کے ساتھ فرہنگ بھی شامل تھی۔ اس میں باقی کلام کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ دوہڑوں میں لکھی گئی سوہنی مہینوال کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس میں متن اور ترجمے سے پہلے داستان کا خلاصہ اپنے لفظوں میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پنجاب کی یہ لوک داستان بڑے جامع انداز میں اردو نثر کے جامے میں ڈھال دی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس کی کہانی سید ہاشم شاہ والی ہے۔ (20) یہ خلاصہ 131 تا 141 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

احمد دین لنگڑیال:

احمد دین لنگڑیال نے "آئینہ پنجاب" کے نام سے کتاب لکھی جس میں مصنف نے پنجاب کی لوک داستانوں کو بھی اپنے اپنے مقام پر بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے ' سوہنی مہینوال ' کے عشقیہ قصے کو بھی جگہ دی ہے جس میں کہانی روایتی ہے۔ اس میں پیش کیے گئے واقعات کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کہانی سید ہاشم شاہ کی کہانی سے ملتی جلتی ہے۔

مجاہدہ:

مجاہدہ (ڈاکٹر مجاہدہ بٹ) نے "پنجابی لوک ادب" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں پنجابی لوک داستانیں بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر سینتالیس سے انچاس تک "سوہنی مہینوال" کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اردو نثر میں بیان کی گئی اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ سوہنی روز گھڑے پر تیر کر دریا پار کرتی تھی اور مہینوال روز اسے مچھلی کے کباب بنا کر کھلاتا تھا۔(21)

محمد احسان الحق سلیمانی:

محمد احسان الحق سلیمانی نے نثری کہانی "سوہنی مہینوال" خاص طور پر بچوں کے لیے لکھی تھی۔ اس میں انداز انتہائی سادہ اور چھوٹے چھوٹے عام فہم جملے شامل کیے گئے ہیں۔ چھوٹے سائز کے 30 صفحات پر مشتمل اس کتابچے میں ہر صفحہ پر آٹھ سطور درج کی گئی ہیں۔ مرکز لالہ موسیٰ کی طرف سے شائع کی گئے اس کتابچے میں کہیں کہیں ادبی رنگ بھی نظر آتا ہے۔ ایک صفحے کا متن بطورِ نمونہ پیش ہے:

> "☆--- گجرات ایک مشہور شہر ہے۔
> ☆--- دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔
> ☆--- بہت دنوں کی بات ہے یہاں ایک کمھار رہتا تھا۔
> ☆--- اس کا نام ٹلا تھا۔
> ☆--- وہ بہت خوبصورت برتن بناتا۔
> ☆--- لوگ اس کے برتنوں کو بڑے شوق سے خریدتے۔
> ☆--- شہر میں اس کی بڑی عزت تھی۔" (22)

ڈاکٹر سید اختر جعفری:

ڈاکٹر سید اختر جعفری نے اردو میں "سوہنی مہینوال" کے نام سے ایک ناول لکھا جسے علم و عرفان پبلشرز لاہور نے 2013ء میں شائع کیا تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے کہانی کے حوالے سے توں سید فضل شاہ کی داستان سے استفادہ کیا ہے مگر اس پر دیگر ماخذات کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس میں فلم کی طرح بہت سے کردار ہیں جن کو مصنف نے اپنی طرف سے نام بھی دے دیے ہیں۔ سید اختر جعفری

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نے سلیم شاہد کی طرح سوہنی کی تایازاد کو جنگی، سوہنی کے خاوند کو سیلا اور کچھ دیگر کرداروں کو کام کے مطابق نام دیے ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ سوہنی کے گھر میں ملازم ہونے سے پہلے ہی دونوں کے درمیان پیار کا تعلق استوار ہو چکا تھا۔ جب روز کی طرح عزت بیگ اس کو دیکھنے کے لیے پہنچ نہیں پاتا تو وہ خود اس کے خیمے میں پہنچ جاتی ہے۔ وہ وہاں بخار کی حالت میں رو رو کر دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی تباہی و بربادی کا ماجرا بھی بیان کرتا جا رہا ہوتا ہے۔ سوہنی سن کر جان لیتی ہے کہ وہ اُسی کی وجہ سے اس حال تک پہنچا ہے۔ حقیقت جان لینے کے بعد اس کا دل اور نرم ہو جاتا ہے۔وہ اندر داخل ہوتی ہے اور ہمیشہ وفادار رہنے کا وعدہ کرتی ہے۔عاشق کو ہمیشہ پاس رکھنے کا یہ حل بتاتی ہے کہ وہ اس کے باپ کے پاس ملازم ہو جائے۔ جعفری صاحب نے اس ملاقات کا اختتام اس بوسے پر کیا جو سوہنی نے آذانوں کے وقت گھر کی طرف رخصت ہوتے ہوئے عزت بیگ کے گال پر ثبت کیا تھا۔ 144 صفحات پر مشتمل اس ناول میں مصنف نے کہانی کو بڑے واضح انداز میں آگے بڑھایا ہے۔سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ناول میں موقع کی مناسبت سے مصنف نے کئی مقامات پر نمونے کے بند بھی پیش کیے ہیں جن سے عبارت کو سمجھنے میں اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمام بند سید فضل شاہ کی 'سوہنی مہینوال' سے لیے گئے ہیں۔ناول سے ایک نثری نمونہ پیش ہے:

> ''دور کہیں سے تہجد کی اذان سنائی دی۔ سوہنی یکدم چونک گئی اور کہنے لگی میرے والد تہجد کی نماز باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ وہ بیدار ہونے والے ہیں۔اس لیے مجھے اب چلنا چاہیے۔اگرچہ آپ کو اکیلے چھوڑ کر جانے دل تو نہیں چاہتا۔ مگر مجبوری ہے اچھا! تو میں چلتی ہوں۔اس نے عزت بیگ کے رخسار پر بھرپور بوسہ دیا اور ایک دم خیمے سے باہر نکل گئی۔'' (23)

انوار احمد اعجاز:

انوار احمد اعجاز کی مرتب کی ہوئی ایک کتاب ''سوہنی مہینوال'' کے نام سے بک ہوم لاہور سے 2007ء میں شائع ہوئی جس میں سید فضل شاہ نواں کوٹی کی لکھی ہوئی سوہنی مہینوال اردو ترجمے سمیت شائع کی گئی ہے۔اس میں مترجم نے اختصار کے ساتھ کہانی بھی درج کی ہے۔ کہانی مکمل طور پر سید فضل شاہ والی ہے۔176 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مجلد ہے اور ترجمہ معیاری ہے۔(24)

ایم عاصی:

ایم عاصی کی لکھی ہوئی یہ کتاب جیبی سائز سے کچھ بڑی ہے۔اس میں چند منتخب واقعات کو آسان زبان میں درج کیا گیا ہے۔زبان اور انداز سے لگتا ہے کہ یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔کتاب کے سرورق کے علاوہ دوسری تمام تصویریں بی۔ڈی۔صدیقی کی بنائی ہوئی ہیں۔اس کے چوبیس صفحات ہیں۔(25)

سید حمید علی (ناشر):

یہ کتاب دارالاشاعت پنجاب لاہور سے سید حمید علی نے 1939ء میں پہلی بار شائع کی اور دوسری بار اسے 1940ء میں شائع کیا گیا۔دوسری اشاعت کے ساتھ پہلی اشاعت کے اعلان والا صفحہ بھی لگا ہوا ہے۔اس کتاب کے سرورق پر درج ہے کہ ''سوہنی مہینوال'' پنجاب کی ایک سچی داستان ہے جسے بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا۔'' (26) اس پر لکھنے والے کا نام کہیں درج نہیں ہے جبکہ ناشر کا نام بھی آخری صفحے سے لیا گیا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ ''اتحاد پریس لاہور میں باہتمام شیخ امین الدین پرنٹر چھپی اور سید حیدر علی پبلشر نے دارالاشاعت پنجاب لاہور ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا۔'' (27) اردو زبان میں شائع ہونے والی اس کتاب میں درج کی گئی کہانی بھی روایتی ہے پر کہیں کہیں فرق بھی نظر آتا ہے۔ کتاب کا آخری پیرا پیش ہے:

> ''سوہنی میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔اس نے جب مہینوال کو اپنے قریب پایا تو ہاتھ پھیلا دیئے۔اور مہینوال نے بڑھ کر اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔اندھیرا زیادہ گہرا ہو گیا۔مینہ زور سے برسنے لگا۔دریا کی لہروں کا شور بھی بڑھ گیا۔ بجلی چمکی۔اور تھوڑی دیر کے لئے دو سچے دوست جنہوں نے آخری دم تک محبت کا عہد نبھایا۔دریا میں تیرتے ہوئے دکھائی دئے۔ پھر لہروں نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ محبت کا وعدہ پورا کرنے والے سچے دوستوں پر خدا کی رحمت ہو۔'' (28)

سکندر اقبال:

سکندر اقبال کی لکھی ہوئی داستان ''سوہنی مہینوال'' چھوٹی تختی کی مختصر سی کتاب ہے جس میں زبان انتہائی سادہ اور انداز بچوں کے لیے لکھی گئی کہانیوں جیسا رکھا گیا ہے۔اس کے سرورق پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ ''پنجاب کی مشہور لوک داستان پہلی مرتبہ اردو زبان میں'' پیش کی گئی ہے۔(29) کتاب کا سرورق رنگدار ہے اور اس کے اندرونی صفحات پر تصاویر بھی بنی ہوئی ہیں۔یہ ایم عاصی کی کتاب سے نسبتاً زیادہ بھرپور کاوش ہے۔بچوں کے لیے لکھی گئی اس کتاب کی قیمت اس وقت تین روپے رکھی گئی تھی۔

منشی مہر محمد:

منشی مہر محمد گجرات کے رہنے والے تھے۔انھوں نے اردو زبان میں سوہنی مہینوال کی کہانی کو اسی صفحات پر لکھا۔انھوں نے اپنی کتاب کو خود ناول قرار دیا ہے حالانکہ جدید ناول کے برعکس اس میں مکالمہ زیادہ ہے۔کتاب میں کہانی سیدھے سادھے مکالموں کی مدد سے آگے بڑھتی ہے اور روایتی انداز میں اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ناول کو ابواب میں بانٹ کر لکھا گیا ہے۔کتاب کے پہلے باب کا آغاز فقیر اور عالی بیگ کے مکالمے سے کیا گیا ہے۔اس مکالمے میں عالی بیگ کی طرف سے دعا کروانے کی التجا اور فقیر کی باتیں شامل ہیں۔دوسرا باب مرزا عزت بیگ کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔سوہنی کی سہیلی کے کردار کو مصنف نے بڑی محنت سے نکھارا ہے۔زبان اور اندازِ بیان سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے دو تین سطریں پیش ہیں۔یاد رہے یہ اقتباس آخری صفحے سے لیا گیا ہے جہاں پر مہینوال، سوہنی کی لاش کو قریب آتا دیکھ کر دریا میں چھلانگ لگا دیتا اور اسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

''مہینوال کو سن کر تاب نہ رہی جونہی محبت نے جوش مارا۔ یہ کہتے ہوئے کہ پیاری میں قربان، میں قربان، دھم سے دریا میں اچھلا گرتے ہی ہر دو سچے عاشق جانباز نہایت پیار اور محبت سے بغلگیر ہو گئے۔''(30)

نمی۔ بھرت بھوشن:

نمی۔ بھرت بھوشن نے آٹھ صفحات پر مشتمل قصہ ''سوہنی مہینوال'' کے نام سے لکھا۔ اسے چوہدری برادرز نے شائع کیا۔ بنیادی طور پر اسے ''سوہنی مہینوال'' کے نام سے لکھی گئی فلم کی مشہوری کے لیے لکھا گیا تھا۔ یہ فلم انڈیا میں بنائی گئی تھی جس کے ڈائریکٹر راجہ نواتھے اور اِسے جے۔ این۔ چوہدری نے پروڈیوس کیا تھا۔ کتابچے کے پہلے دو صفحات پر کہانی ہے۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ مہینوال کے رقیب فتے نے پہلے اسے لُوٹ کر کنگال کیا اور پھر بعد میں جب وہ نوکر بن کر سوہنی کے قریب ہو گیا تو اس پر قاتلانہ حملہ کروادیا۔ فتا اور اس کے ساتھی اسے مردہ سمجھ کر پھینک آتے ہیں مگر وہ بچ جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ کہانی اپنے روایتی اختتام کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔ قصے میں گانے بھی شامل ہیں۔ سارا قصہ اور گانے اردو میں لکھے گئے ہیں۔ پہلے گانے کے بول پیش ہیں:

ہو لڑ گئی لڑ گئی لڑ گئی لڑ گئی لڑ گئی
پنگھٹ پہ نجریا لڑ گئی رے
میں نے سکھی ری اک سپنا دیکھا چونک پڑی کل رات کو
دلبر میرا ندی کنارے آیا ملاقات کو
دل دھڑکا میرا میں ڈر گئی رے، میں مر گئی رے۔۔۔۔ اوہو لڑ گئی(31)

اقبال حیدر:

اقبال حیدر نے ایک چھوٹا سا قصہ ''لوک تھیٹر سوہنی مہینوال'' کے نام سے لکھا جس کے ناشر بھی وہ خود تھے۔ اس میں سوہنی مہینوال کی کہانی سٹیج ڈرامے کی طرز پر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے جس میں زبان بڑی سادہ اور رواں استعمال کی گئی ہے۔

میاں عبدالرشید نے آر۔ سی۔ ٹمپل کی حکایات کا اردو ترجمہ مجلس ترقی اردو لاہور نے شائع کیا تھا۔ ''حکایات پنجاب'' حصہ اول کے نام سے شائع ہونے والے اس ترجمہ میں سوہنی مہینوال کی داستان شامل نہیں ہے۔ البتہ حکایت نمبر بارہ ''سوہنی کے سردار سیاما کی کہانی'' میں لفظ سوہنی استعمال کیا گیا ہے مگر وہاں اس سے مراد ''سیاما، جاگیر دار پر گنا سوھنی علاقہ سرمور'' (32) ہے۔ شفیع عقیل نے اپنی کتاب ''پنجابی لوک داستانیں'' میں بھی قصہ سوہنی مہینوال شامل نہیں کیا بلکہ کئی اور مشہور قصے بھی شامل نہیں ہیں۔(33) شاہدہ لطیف نے اپنی کتاب ''7 قدیم عشق'' میں پنجاب کے روایتی قصوں کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔ اس میں بھی سوہنی مہینوال کا قصہ شامل نہیں کیا گیا ہے۔(34) ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ''سرائیکی کتابیات'' میں بھی اس قصے کے کسی مصنف کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ (35)ڈاکٹر آرزو چوہدری نے اپنی کتاب ''عالمی داستان'' میں عراق، مصر، فونیقی خطے، یونان، آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ، انگلستان، فرانس، سیکنڈے نیویا، جرمنی، مشرقی یورپ، روسی ایشیا، مغربی سائبیریا، ہنگری، لیپ لینڈ، فن لینڈ، شمالی روس، ایران، چین، جاپان، امریکا، اوقیانوسی ممالک، آسٹریلیا، کالا افریقا اور ہندوستان کی کہانیوں کا ذکر کیا ہے لیکن خطۂ پاکستان کی کسی ایک کہانی کا ذکر بھی شامل نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے ملک کا نام تک شامل نہیں کیا۔ (36)

حوالہ جات

1۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، 1988ء، ص45
2۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، 1990ء، ص3
3۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، کراچی، ص67
4۔ حفیظ احمد، ڈاکٹر: قصہ یوسف زُلیخا، لاہور، پنجاب انسٹیٹیوٹ آف آرٹ اینڈ کلچر، 2016ء، ص37
5۔ حفیظ احمد، ڈاکٹر: قصہ یوسف زُلیخا، لاہور، ص33
6۔ شگفتہ جبین، سوہنی مہینوال، مشمولہ، LOVE STORIES 1940s، مرتب، ڈاکٹر عبدالکریم شکور، پ ن، ملٹی کلچرل ریسورس سنٹر، س ن، ص49-50
7۔ آغا سلیم، لوک داستانیں، اسلام آباد، لوک ورثے کا قومی ادارہ، 1988ء، ص5
8۔ آغا سلیم، لوک داستانیں، اسلام آباد، 1988ء، ص131-149
9۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، سوہنی مہینوال، مشمولہ، چناب سے پدماتک، مرتب، رفیق خاور، کراچی، ادارہ مطبوعات پاکستان، تیجی وار، س ن، ص97-101
10۔ پرویز راہی، فلمی لوک داستانیں، لاہور، مکتبہ عالیہ جی سی سنٹر چیٹر جی روڈ، 2010، ص55
11۔ پرویز راہی، فلمی لوک داستانیں، لاہور، ص57
12۔ اوہی، ص149-160
13۔ ایم الماس، پنجاب کی رومانوی داستانیں، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، 2007ء، ص24
14۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، پاکستان کی لوک داستانیں، جہلم، بک کارنر، 2017، ص68

Vol.5 No. 1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

15۔ اے حمید، پنجاب کے رومانی افسانے، لاہور، فیروز سنز، 1959ء، ص 53-84
16۔ اے حمید، ڈاکٹر، پنجاب کے رومانی افسانے، لاہور، ص 53
17۔ بنارسی دان جین، ڈاکٹر، پنجابی زبان تے اوہدا لٹریچر، لاہور، مجلس شاہ حسین، پہلی وار، 1941ء، ص 82
18 ۔ اسد سلیم شیخ، سوہنی مہینوال کی کہانی، مشمولہ، نگر نگر پنجاب، لاہور، فکشن ہاؤس، 2016ء، ص 186-7
19۔ اسد سلیم شیخ، سوہنی مہینوال کی کہانی، مشمولہ، نگر نگر پنجاب، لاہور، ص 186-7
20۔ ہاشم شاہ، سید، کلام ہاشم شاہ، مترجمین، احسان اللہ طاہر و ڈاکٹر امجد علی بھٹی، لاہور، عزیز پبلشرز، 2006ء، ص 131-41
21۔ مجاہدہ، پنجابی لوک ادب، لاہور، ادارہ پنجابی لکھاریاں جیا موسیٰ، 2002ء، ص 47
22۔ احسان الحق سلیمانی، محمد، ایک لوک کہانی سوہنی مہینوال، لالہ موسیٰ، نشر و اشاعت مرکز بنیادی تعلیم، س ن، ص 2
23۔ اختر جعفری، سید، ڈاکٹر، سوہنی مہینوال (ناول)، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، جون 2013ء، ص 39
24۔ انوار احمد اعجاز (مترجم)، سوہنی مہینوال (سید فضل شاہ)، لاہور، بک ہوم، 2007ء، ص 176
25۔ ایم عاصی، ایک لوک کہانی سوہنی مہینوال، گوجرانوالہ، نرالی کتابیں، 1973ء، ص 24
26۔ دارالاشاعت پنجاب لاہور، سوہنی مہینوال، لاہور، سید حمید علی، 1940، سرورق
27۔ دارالاشاعت پنجاب لاہور، سوہنی مہینوال، لاہور،، ص 48
28۔ اوہی، ص 48
29۔ سکندر اقبال، سوہنی مہینوال، لاہور، نو بہار بک ڈپو، س ن، سرورق
30۔ مہر محمد، منشی، رنج و ملال المعروف سوہنی مہینوال، لاہور، دیال سٹیم پریس، 1912ء، ص 80
31۔ نمی۔ بھرت بھوشن، سوہنی مہینوال، دہلی، چوہدری برادرز، س ن، ص 2-3
32۔ آر۔ سی۔ ٹمپل، حکایاتِ پنجاب، حصہ اول، مترجم، میاں عبدالرشید، لاہور، مجلس ترقی ادب، س ن، ص 288
33۔ شفیع عقیل، پنجابی لوک داستانیں، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، پہلی وار، 1975ء، مضموناں دی فہرست
34۔ شاہدہ لطیف، 7 قدیم عشق، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، 2006ء، مضموناں دی فہرست
35۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی کتابیات، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 1994ء، متفرق
36۔ آرزو چودھری، ڈاکٹر، عالمی داستان، لاہور، عظیم اکیڈمی، 1995ء، ص 1-5